رضا بہ قضا

ترمذی نے حضرت سعد سے حضورؐ کا ایک فرمان یوں نقل کیا ہے :

من سعادۃ بن آدم رضاہ بما قضی اللہ لہ ومن شقاوۃ بن ادم ترکہ استخارۃ اللہ ومن شقاوۃ بن ادم سخطہ بما قضیٰ اللہ لہ۔

قضائے الٰہی پر راضی رہنا انسان کی بڑی سعادت ہے لیکن اللہ تعالےٰ سے خیر کی طلب کو چھوڑ دینا بدبختی ہے اور قضائے الٰہی پر ناراض ہونا بھی بدبختی ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ رضا بقضا کا یہ مطلب نہیں کہ تمام تدبیروں اور کوششوں کو ترک کرکے ایک نامعلوم اور فرضی تقدیر پر بھروسہ کر لیا جائے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہا جائے۔ یہ نہ توکّل ہے نہ رضا بہ قضا۔ یہ شکست خوردگی، فراریت اور کاہلی ہے جسے رضا بہ قضا یا توکل کا حسین نام دے دیا گیا ہے۔ قدرت کی طرف سے جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب تقدیرات ہیں لیکن انسان کا کام یہ نہیں کہ ان تقدیرات کا ہم آہنگ ہو جائے بلکہ اس کا اصل وظیفہ یہ ہے کہ ان تقدیرات کو اپنا ہم آہنگ بنالے۔ تقدیرات کا پابند نہ ہو بلکہ ان تقدیرات کو اپنا پابند بنالے۔ ان کا تابع فرمان نہ ہو بلکہ ان کو اپنا تابع فرمان کرلے۔ ان سے جنگ کرے اور ان پر غالب آجائے۔

مومن کی شانِ عام انسانوں سے بھی زیادہ بلند ہونی چاہیئے۔ پس اس کا وظیفۂ حیات یہ ہے کہ وہ تقدیرات کو اپنا پابند اور خادم بنائے اور ان سے اپنی خدمت لے اور خود خدا کے احکام کا پابند اور خادم بن جائے۔

تقدیر کے پابند نباتات وجمادات　　مومن فقط احکامِ الٰہی کا پابند (اقبال)

قدرت نے خندقیں اور ٹیلے بنائے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ ٹیلوں کو کاٹ دے، خندقوں کو پاٹ دے اور زمین کو ہموار بنائے۔ قدرت نے دریا بہادئے جو اندھے ہو کر بہتے چلے جاتے ہیں۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ ان کے غلط رُخ کو موڑ دے۔ قدرت نے سیلاب پیدا کئے۔ انسان کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ بند باندھ کر ان کے بہاؤ کو روک دے۔ قدرت نے مچھر پیدا کئے۔ انسانی وظیفہ یہ ہے کہ وہ انہیں فلٹ سے ختم کردے۔ قدرت نے بیماریاں پیدا کیں۔ انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ ان سے جنگ کرکے انہیں ختم کردے۔

مگر ہاں یہ ضرور نہیں کہ ہر کوشش میں انسان لازماً کامیاب ہو جائے۔ اسے اپنی تدبیروں اور کوششوں میں ناکامی کا بھی منہ دیکھنا پڑے گا یہاں آکر انسان کی دو میں سے ایک کیفیت ہوتی ہے۔ یا تو وہ اپنی ناکامی پر

غمگین و مایوس ہو کر بیٹھ جائے اور قدرت کے گلے شکوے شروع کر دے۔ خدا سے ناراضی کا اظہار کرنے لگے اور اپنی بدقسمتی کا رونا رونے بیٹھ جائے۔ یا پھر اس کے برعکس یہ سمجھے کہ اس ناکامی میں قدرت کا کوئی قصور نہیں ہماری ہی کوتاہی ہے۔ جو کچھ ہوا غلط تدبیر کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ اب ہمیں از سرِ نو سنبھل کر نئے انداز سے اپنی کوششوں کو اور زیادہ تیز کر دینا چاہیے اور قدرت کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں مزید ارتقائی کارگزاری کا موقع دیا۔

ان دونوں کیفیتوں میں پہلی کیفیت کا نام ہے قضائے الٰہی پر ناراض ہونا۔ اور دوسری کا نام ہے قضائے الٰہی پر راضی رہنا۔ زیرِ بحث حدیثِ نبوی میں پہلی کیفیت کو شقاوت و بدبختی بتایا گیا ہے اور دوسری کو سعادت و خوش بختی کہا گیا ہے۔

قدرت ایک شخص کو بیمار ڈالتی ہے۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ اگر اس کا مرنا یقینی بھی ہو تو ہمیں اپنی کوششوں سے باز نہ آنا چاہیے۔ ہم تقدیر سے لڑتے چلے جائیں گے۔ اس کے بعد فیصلے اور نتیجے کو خدا کے حوالے کر دیں گے۔ وہ موت دے یا زندگی بخش دے۔ دونوں حالتوں میں قضائے الٰہی سے ہم راضی ہی رہیں گے۔ یہی ہے رضا بقضا اور یہی ہے ابن آدم کی خوش بختی و سعادت۔ ترکِ تدبیر رضا بہ قضا نہیں بلکہ حسنِ تدبیر رضا بہ قضا کا پہلا قدم اور نتیجے پر راضی رہنا اس کا دوسرا آخری قدم ہے۔ نتیجے بعض تو ایسے ہوتے جو ہمارے قبضے سے باہر ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی مریض مر گیا تو اب اسے زندہ کر لینا ہمارے قبضے سے عموماً باہر ہوتا ہے۔ لیکن بعض نتائج ایسے ہوتے ہیں جنکی اصلاح ہمارے بس سے باہر نہیں ہوتی، بلکہ نئے تجربات اور نئی کوششوں کا وسیع میدان موجود ہوتا ہے۔ ایسیں ہمت کے ساتھ قدم رکھنا اور زندگی کو پھر معروفِ عمل کر دینا عین رضا بہ قضا ہے اور عین سعادت ہے۔ اور مایوس ہو کر بیٹھ جانا یا ترکِ سعی و تدبیر کر دینا قضا الٰہی سے ناراضی اور شقاوت و بدبختی ہے۔

زیرِ بحث حدیث میں انسانی شقاوت و سعادت کی ان دو قسموں کے درمیان ایک اور بڑے مزے کی بات بیان فرمائی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ "استخارۂ الٰہی" کو ترک کر دینا بھی بڑی بدبختی ہے۔ "استخارۃ اللہ" کے معنی ہیں اللہ سے خیر طلب کرنا۔ ظاہر ہے کہ اس کو ترک کرنے سے زیادہ اور کوئی بدبختی نہیں ہو سکتی۔ انسان جب کوئی کام کرتا ہے تو اس کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں ہمہ تن خیر نظر آئے۔ دوسرے یہ کہ ہمہ تن شر دکھائی دے۔ اور تیسرے یہ کہ دونوں پلڑے قریب قریب مساوی ہوں۔ اگر دوسری شکل ہو یعنی سراسر شر نظر آئے تو انسان اسے کرتا ہی نہیں اِلّا آں کہ کوئی مجبوری ہو۔ اگر پہلی صورت ہو تو انسان بے تامل وہ کام کرتا ہے اور آخری صورت میں ایک تذبذب سا ہوتا رہتا ہے۔ استخارے کے معنی یہ ہیں کہ جو کام بھی انسان کرے اس میں اللہ سے خیر چاہے۔ انسان پر ان تین صورتوں میں سے کوئی صورت بھی پیش آئے اسے یہ علم نہیں ہوتا کہ فی الواقع اس کا نتیجہ خیر ہے یا شر۔ اس لئے فروی

ہے کہ وہ اللہ سے خیر ہی طلب کرتا رہے۔ یہ ہیں استخارے کے معنی۔

لیکن بعد میں اسکے معنی بہت بگڑ گئے۔ اب استخارے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ فلاں کام کریں یا نہ کریں۔ اگر استخارے میں نکل آیا تو کرنا چاہیئے ورنہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کی افراط نے بہت سے لوگوں کو وہمی بنا دیا ہے۔ کھانا آیا تو استخارہ رفع حاجت کی ضرورت ہوئی تو استخارہ، گھر سے باہر نکلنا ہؤا تو استخارہ۔ پھر اگر استخارہ نکل آیا۔ تو کام کیا جاتا ہے ورنہ اسے روک دیا جاتا ہے۔ یہ استخارے کا صحیح مصرف نہیں۔ ایسا استخارہ جو انسان کو اوہام کا مجسمہ بنا دے بجائے خود شقاوت و بدبختی ہے۔ یہاں ترک استخارہ کو شقاوت کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ہر کام میں اللہ سے خیر مانگنی چاہیئے۔ یہ ایک قلبی عمل ہے جو ہر وقت جاری رہنا چاہیئے۔ یہ کوئی ایسا عمل نہیں کہ تسبیح گھما کر دیکھا جائے کہ استخارہ آیا یا نہیں۔

(محمد جعفر)

مطبوعات

بزمِ اقبال لاہور

مجلۂ اقبال - مدیر:- ایم۔ ایم۔ شریف۔ بشیر احمد ڈار

سہ ماہی اشاعت۔ دو انگریزی اور دو اردو شماروں میں۔ قیمت سالانہ دس روپے۔ صرف اردو یا انگریزی پانچ روپے

میٹا فزکس آف پرشیا۔	مصنفہ علامہ اقبالؒ	۵-۰-۰
امج آف دی ویسٹ ان اقبالؒ۔	مصنفہ مظہر الدین صدیقی	۲-۰-۰
ذکرِ اقبالؒ۔	مصنفہ مولانا عبدالمجید سالک	۵-۰-۰
اقبالؒ اور مُلّا۔	مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۰-۱۲-۰
مکاتیب اقبالؒ۔	بنام خان محمد نیاز الدین خاں مرحوم	۱-۴-۰
تقاریر یومِ اقبالؒ۔	۱۹۵۴ء	۱-۴-۰
علامہ اقبالؒ۔	مترجمہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم	۱-۸-۰

ملنے کا پتہ

سکرٹری بزمِ اقبال و مجلس ترقیِ ادب۔ ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن۔ لاہور